۶۰

الممتحنة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

پچھلی سورتوں میں منافقین کو اہل کتاب، بالخصوص یہود، سے قطعِ تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور یہ منافقین تھے بھی، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، بیشتر اہل کتاب ہی میں سے۔ اس سورہ میں مشرکینِ مکّہ سے قطعِ تعلق کا حکم دیا گیا ہے اور خطاب خاص طور پر ان لوگوں سے ہے جو اسلام میں داخل بھی تھے اور دین کی خاطر انھوں نے ہجرت بھی کی تھی لیکن اہل مکّہ سے رشتہ و برادری کے جو تعلقات تھے اس کی زنجیریں ابھی انھوں نے نہیں توڑی تھیں اس وجہ سے امتحان کے مواقع پر ان سے ایسی کمزوریاں صادر ہو جاتیں جو ایمان و اخلاص کے منافی ہوتیں۔ گویا نفاق کی بیخ کنی یا تطہیرِ مومنین جو تمام مسبحات کا مشترک مضمون ہے وہی مضمون اس سورہ کا بھی ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ اس میں روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف ہے جنھوں نے ہجرت تو کی لیکن ہجرت کی اصل ابراہیمی حقیقت ابھی ان پر اچھی طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی یاددہانی فرمائی گئی ہے کہ اگر ہجرت کی برکات سے متمتّع ہونا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے سابق ماحول سے ہر قسم کا تعلق منقطع کر کے کلیۃً اللہ اور رسول سے وابستہ ہو جاؤ۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۳) جو کمزور مسلمان ہجرت کے بعد مشرکینِ مکّہ سے خفیہ روابطِ مودّت قائم رکھے ہوئے تھے۔ ان کو تنبیہ کہ جنھوں نے تم کو اور رسولؐ کو تمہارے گھروں سے اس جرم میں نکالا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لائے ان سے محبت کی پینگیں نہ بڑھاؤ۔ تم تو ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کا قابو تم پر چل جائے تو ان کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ تم کو مرتد کر کے چھوڑیں۔ یاد رکھو کہ اپنے عزیزانہ تعلقات کی پاسداری میں اللہ اور رسولؐ سے بے وفائی کرو گے تو قیامت کے دن یہ رشتے تمہارے کام آنے والے نہیں بنیں گے۔ اس دن تمام رشتے ناتے ختم ہو جائیں گے۔

(۴-۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعۂ ہجرت کی یاد دہانی اور اس سے سبق حاصل کرنے کی ہدایت کہ وہ اپنی پوری قوم سے اپنی ابدی بیزاری کا اعلان کر کے اٹھے کہ جب تک تم لوگ اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ گے اس وقت تک میرا تمھارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اسی ضمن میں اس دعائے ابراہیمی کی تلقین جو انھوں نے ہجرت کی آزمائشوں میں ثابت قدمی کے لیے فرمائی اور اس امر کی بشارت کہ کیا عجب کہ جن لوگوں سے تم کو آج قطعِ علائق کا حکم دیا جا رہا ہے وہ کل اسلام سے مشرف ہو کر تم سے گلے ملیں۔

(۸-۹) اس امر کی وضاحت کہ ممانعت ان لوگوں کے ساتھ دوستی بڑھانے کی کی جا رہی ہے جنھوں نے تمھارے ساتھ جنگ کی ہے اور رسول کو اور تم کو تمھارے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کی ممانعت نہیں کی جا رہی ہے جنھوں نے اس طرح کی کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔

(۱۰-۱۱) ان عورتوں کے باب میں جو مکّہ سے ہجرت کر کے آئیں یہ ہدایت کہ مجرّد اس بنا پر کہ وہ آ گئی ہیں، ان کو اپنے اندر شامل نہ کر لیا جائے بلکہ ان کے ایمان و اسلام کی تحقیق کی جائے۔ جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ فی الواقع انھوں نے اسلام ہی کی خاطر ہجرت کی ہے تب ان کو اپنے اندر شامل کیا جائے۔ اسی طرح جو مشرکات مسلمانوں کے عقد میں ہیں، ان کو بھی اپنے عقد میں باندھے رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ آزاد کر دی جائیں اور آپس میں مہروں کا تبادلہ کر لیا جائے۔

(۱۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ آپ کے پاس جو عورتیں اسلام کی خاطر آئیں اور خالص اسلامی زندگی بسر کرنے کا عہد کریں، ان سے بیعت لے لیا کریں۔

(۱۳) آخر میں مسلمانوں کو تنبیہ کہ نہ یہود سے دوستی بڑھاؤ نہ کفار سے۔ ان دونوں کا حشر ایک ہی ہے۔ ان کی بنیادیں بالکل کھوکھلی ہو چکی ہیں۔

سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ (۶۰)

مَدَنِيَّةٌ — اٰيات : ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ؕ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ

اٰيات ۱–۷

معانقة ۱۴ — السباع الوقف على القيمة ۱۴

وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَیْكَ اَنَبْنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝۴ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۵ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝۶ ع عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۷

ترجمۂ آیات ۱-۷

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اس حق کا انکار کیا جو تمھارے پاس آیا، وہ رسول کو اور تم کو اس بنا پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اللہ، اپنے خداوند پر، ایمان لائے! —— اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا جوئی کو نکلتے ہو، ان سے رازدارانہ نامہ و پیام کرتے ہوئے، درآں حالیکہ میں جانتا ہوں جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو، اور جو تم میں سے ایسا کرتے ہیں وہ راہِ راست سے بھٹک گئے۔ ۱

اگر وہ تم کو پا جائیں تو وہ تمھارے دشمن بن جائیں گے اور تم پر دست درازی بھی کریں گے اور زبان درازی بھی اور چاہیں گے کہ تم کافر ہو جاؤ۔ ۲

تمھارے رشتے ناتے اور تمھارے آل و اولاد قیامت کے دن تمھارے کچھ بھی

کام آنے والے نہیں بنیں گے۔ اس دن اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ ۳

تمہارے لیے بہترین نمونہ تو ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ہے جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور ان سے، جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بالکل بری ہیں۔ ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے مابین ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بیزاری آشکارا ہو گئی تا آنکہ تم اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لاؤ۔ مگر ابراہیم کی اپنے باپ سے اتنی بات کہ میں آپ کے لیے مغفرت مانگوں گا اگرچہ میں آپ کے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں رکھتا — اے ہمارے رب، ہم نے تیرے اوپر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب، ہم کو ان لوگوں کا تختۂ مشق نہ بننے دینا جنھوں نے کفر کیا ہے اور اے ہمارے رب، ہم کو بخش، بے شک تو عزیز و حکیم ہے۔ ۴-۵

بے شک تمہارے لیے ان لوگوں کے اندر بہترین نمونہ ہے۔ ان کے واسطے جو خدا اور آخرت کے متوقع ہیں۔ اور جو اعراض کریں گے تو یاد رکھیں کہ اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔ ۶

توقع ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم نے دشمنی کی، دوستی پیدا کر دے۔ اللہ قدرت والا اور غفور رحیم ہے۔ ۷

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡهِمۡ

بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَآءَكُم مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ (۱)

مصلحت پرست مسلمانوں کو تنبیہ

خطاب اگرچہ باعتبارِ الفاظ عام ہے لیکن روئے سخن انہی مسلمانوں کی طرف ہے جو ہجرت کے مرحلے سے گزرنے کے بعد بھی مشرکینِ مکہ کے ساتھ اپنے سابق خاندانی اور عزیزانہ تعلقات کا لحاظ باقی رکھے ہوئے تھے۔ جب تک مشرکین سے عام جنگ کا حکم نہیں ہوا اس وقت تک تو ان کی اس کمزوری پر پردہ پڑا رہا لیکن جب ان کے عام تعاقب کا حکم ہوگیا تو ان کی یہ کمزوری ظاہر ہونے لگی۔ یہ لوگ اپنے خاندان اور قبیلہ والوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے بھی جھجکتے تھے اور قریش کے لیڈروں کو خوش رکھنے کے بھی خواہش مند تھے کہ وہ ان کے عزیزوں کے درپے آزار نہ ہو جائیں۔ اگرچہ ان کی یہ روش نفاق سے زیادہ مصلحت پرستی پر مبنی تھی۔ ان کا گمان تھا کہ اگر انھوں نے اپنے ان مشرک عزیزوں سے اچھے تعلقات باقی رکھے تو ان کے رویے سے متاثر ہو کر وہ ایک دن سچے مسلمان بن جائیں گے۔ لیکن قرآن نے اس مصلحت کو ایمان کے منافی قرار دیا اور ان پر واضح فرمایا کہ جس ایمان کے تم مدعی ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان لوگوں سے رشتۂ موالات نہ رکھو جو اللہ کے بھی دشمن ہیں اور تمھارے بھی۔

لفظ 'عدو' واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ 'فَعُول' کے وزن پر ہے اور عربی میں یہ وزن دونوں کے لیے یکساں ہے بلکہ اس میں مذکر و مؤنث کا بھی امتیاز نہیں ہے۔

'تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَآءَكُم مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ' یہ اوپر والی بات ہی کی وضاحت ہے کہ تم تو ان سے موالات و محبت کی پینگیں بڑھاتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کے بھی دشمن ہیں اور تمھارے بھی۔ ان کی یہ دشمنی اس سے واضح ہے کہ جو دین تمھارے پاس آیا اس کا بھی انھوں نے انکار کیا اور رسول کو اور تم کو اس جرم میں جلاوطن کرنے کے درپے ہیں کہ تم اللہ پر جو تمھارا رب ہے، ایمان کیوں لائے۔

'تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ' اسی طرح کا اسلوبِ بیان ہے جس طرح 'وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ' (البقرۃ - ۲: ۱۹۵) ہے۔ اس طرح کے کام نامہ و پیام اور وسائل و وسائط سے انجام پاتے ہیں اس وجہ سے تعبیرِ مطلب کے لیے یہ اسلوب نہایت موزوں ہے۔ ہم نے اسلوب کی معنویت ملحوظ رکھنے کے لیے ترجمہ محبت کی پینگیں بڑھانا کیا ہے۔

'يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ' میں حال کا صیغہ صورتِ حال کو نگاہوں کے سامنے کر دینے کے لیے ہے تاکہ ان لوگوں کو غیرت دلائی جائے جو ایسے بے دردوں سے موالات کے خواہش مند تھے جنھوں نے رسول اور ان کے ساتھیوں کو ان کے وطن سے جلا وطن کیا۔ فرمایا کہ اگر اس کے باوجود تم ان سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے ہو تو اپنے ایمان و اسلام کا جائزہ لو اس لیے کہ ان کا سارا غصہ تو اسی بات پر ہے کہ تم اللہ پر، جو تمھارا رب ہے، ایمان لائے۔ 'رَبِّكُمْ' یہاں دلیل کے محل میں ہے کہ اللہ ہی جب رب ہے تو وہی ایمان کا حق دار ہوا۔ اگر تم اس پر ایمان لائے تو تم نے اصل حق دار کا حق پہچانا لیکن تمھاری یہی حق شناسی ان کے غضب کا سبب بن گئی ہے۔

'اَنْ تُؤْمِنُوْا' کے اسلوب کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں کہ 'اَنْ' سے پہلے بعض اوقات مضاف محذوف ہو جایا کرتا ہے۔ اگر اس کو کھول دیجیے تو مطلب یہ ہو گا کہ اس الزام یا اس گناہ پر تمھیں نکال رہے ہیں کہ تم اللہ پر، جو تمھارا پروردگار ہے، ایمان کیوں لائے! گویا تمھاری سب سے بڑی نیکی اور سب سے بڑی حق شناسی ان کے نزدیک تمھارا سب سے بڑا گناہ بن گئی ہے۔

'اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ'۔

ایک اسلوب کی وضاحت

اس ٹکڑے کی نحوی تالیف مفسرین پر اچھی طرح واضح نہیں ہوئی اس وجہ سے وہ اس کا مطلب واضح نہ کر سکے۔ پہلے اس کی تالیفِ نحوی سمجھ لیجیے، پھر ہم اس کا مطلب واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔ مفسرین نے عام طور پر یہاں 'شرط' کا جواب محذوف مانا ہے اور قرینہ سے اس کو معین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میرے نزدیک یہاں 'اِنْ كُنْتُمْ' اور 'مَنْ يَّفْعَلْهُ' دونوں شرطوں کا جواب ایک ہی یعنی 'فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ' ہے۔ 'تُسِرُّوْنَ'، ضمیرِ خطاب سے حال واقع ہوا ہے اور 'اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ' جملہ معترضہ کے محل میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم میری راہ میں جہاد اور رضا طلبی کے لیے اس حال میں نکلے کہ تم اپنے دلوں میں اللہ و رسول کے دشمنوں کے ساتھ موالات کی خواہش چھپائے ہوئے ہو، درآنحالیکہ میں تمھارے باطن اور ظاہر دونوں کو جانتا ہوں تو یاد رکھو کہ جو تم میں سے ایسا کریں گے وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

اللہ کی رضا طلبی اور اس کے دشمنوں سے موالات ایک جگہ نہیں جمع ہو سکتیں

سیدھی راہ سے بھٹک جانے کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کی رضا طلبی اور اللہ و رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستی، دو بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ یہ دونوں بیک وقت کسی کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر اللہ ظاہر و باطن دونوں سے آگاہ نہ ہوتا تب تو اس کو دھوکا دیا جا سکتا تھا لیکن جب وہ ہر ایک کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح آگاہ ہے تو اس کو کس طرح دھوکا دیا

جا سکتا ہے! جو لوگ اس طرح کی دو متضاد خواہشیں اپنے دلوں میں رکھ کے نکل رہے ہیں انھیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ خدا کی راہ میں نہیں بلکہ شیطان کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ ع

این رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

شانِ نزول سے متعلق ایک نکتہ

اس آیت کے تحت مفسرین نے حضرت حاطب بن بلتعہؓ کا ایک واقعہ بطور شانِ نزول نقل کیا ہے۔ شانِ نزول سے متعلق ہم مقدمۂ کتاب میں استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کر چکے ہیں کہ سلف جب کسی آیت کے تعلق سے کوئی واقعہ بطور شانِ نزول نقل کرتے ہیں تو اس کا مطلب لازماً یہی نہیں ہوا کرتا کہ بعینہٖ وہی واقعہ آیت کے نزول کا سبب ہے بلکہ اس سے ان کا مقصود صرف یہ رہنمائی دینا ہوتا ہے کہ اس آیت میں اس طرح کے واقعات کے لیے بھی حکم موجود ہے۔ اس آیت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کی صورتِ حال کی طرف اشارہ ہے۔ جس کمزوری کی طرف آیت میں اشارہ ہے بعض لوگوں کے اندر اس کا پایا جانا کچھ عجیب بھی نہیں ہے بلکہ یہ عام بشری کمزوری کا نتیجہ یا، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، مصلحتِ خیر پر بھی مبنی ہو سکتی ہے اور یہاں یہی پہلو، جیسا کہ آگے کی آیات سے واضح ہوگا، قرینِ عقل ہے۔ لیکن مصالح کا اصل جاننے والا خدائے علیم و حکیم ہی ہے۔ بسا اوقات آدمی نیک نیتی سے ایک رائے قائم کرتا ہے لیکن اس میں اس کے نفس کی کوئی کمزوری بھی چھپی ہو سکتی ہے جس تک اس کی نظر نہیں پہنچتی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی کمزوریوں پر متنبہ فرمایا ہے تاکہ اس امت کے ہراول دستہ کا ہر عمل بعد والوں کے لیے نمونہ ہو۔

إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ (٢)

کفار کے عناد کا حال

یعنی تم تو ان سے دوستی کے خواہشمند ہو لیکن ان کے دلوں میں تمھارے خلاف ایسا عناد بھرا ہوا ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں قابو پا گئے تو نہ دست درازی سے باز رہیں گے نہ زبان درازی سے بلکہ ان کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ تمھیں مرتد کر کے چھوڑیں۔ یہی بات سورۂ توبہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے: 'وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً' (التوبۃ - ۹: ۸) (اگر وہ تم پر قابو پا گئے تو پھر تمھارے معاملہ میں نہ وہ قرابت کا پاس کریں گے نہ کسی عہد کا)۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے ساتھ ان کی دشمنی من حیث الجماعت ہے اور اس میں وہ اتنے سخت ہیں کہ کسی رشتہ و قرابت یا کسی عہد و پیمان کا لحاظ کرنے والے نہیں ہیں تو ان سے کسی نیکی کی توقع نہ رکھو بلکہ تمھارے لیے بھی صحیح رویہ یہی ہے کہ ان سے موالات کی ہر خواہش سے دست بردار ہو جاؤ۔

لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۳)

'ارحام' یہاں 'قرابات' یعنی رشتے ناتے کے مفہوم میں ہے۔ یہ تنبیہ ہے کہ جو لوگ دینی تقاضوں کے مقابل میں اپنے رشتوں ناتوں کو زیادہ اہمیت دیں گے وہ یاد رکھیں کہ یہ چیزیں قیامت میں کام آنے والی نہیں ہیں۔ اس دن اللہ تعالیٰ اس طرح کے تمام رشتہ داروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اس دن کی تصویر یوں کھینچی گئی ہے:

قیامت میں رشتے کام نہیں آئیں گے

ولا يسئل حميم حميما ۝ يبصرونهم ط يود المجرم لو يفتدي من عذاب يومئذ ببنيه ۝ وصاحبته وأخيه ۝ وفصيلته التي تؤويه ۝ ومن في الأرض جميعا ثم ينجيه ۝ (المعارج ۔ ۷۰ : ۱۰-۱۴)

اور اس دن کوئی دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم کی تمنا یہ ہوگی کاش! اس دن کے عذاب سے وہ اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے اس خاندان کو جو اس کی پناہ گاہ رہا ہے اور تمام اہلِ زمین کو فدیہ میں دے کر اپنے کو بچا لے۔

یہی حقیقت سورۂ عبس میں یوں واضح فرمائی گئی ہے:

يوم يفر المرء من أخيه ۝ وأمه وأبيه ۝ وصاحبته وبنيه ۝ (عبس ۔ ۸۰ : ۳۴-۳۶)

اس دن کو یاد رکھو جس دن آدمی اپنے بھائی، اپنے ماں باپ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا۔

اسی قسم کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہی تنبیہ سورۂ توبہ میں یوں فرمائی گئی ہے:

يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا آباءكم وإخوانكم أولياء إن استحبوا الكفر على الإيمان ومن يتولهم منكم فأولئك هم الظالمون ۝ قل إن كان آباؤكم وأبناؤكم وإخوانكم وأزواجكم وعشيرتكم وأموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها أحب إليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور جو تم میں سے ان کو دوست بنائیں گے تو وہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنیں گے۔ کہہ دو، اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھارا خاندان، تمھارا وہ مال جو تم نے کمایا، وہ کاروبار جس کی کساد بازاری کا تمھیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمھیں پسند ہیں۔ تمھارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠ (التوبۃ ۹ : ۲۳ - ۲۴)

جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔ اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔

آیت زیر بحث میں 'یَوْمَ الْقِیٰمَةِ' اس خوبصورتی سے بیچ میں آیا ہے کہ وہ آگے اور پیچھے آنے والے دونوں فعلوں کا ظرف بن گیا ہے۔

'وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ' یہ ایک دوسری تنبیہ ہے کہ اس مغالطہ میں نہ رہو کہ جو کچھ تم چھپا کر کرنے کی کوشش کر رہے ہو یہ اللہ سے بھی چھپا رہے گا۔ اللہ سے کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی۔ تمہارا ہر عمل اس کی نگاہوں میں ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ (۴)

اسوۂ ابراہیمی کی پیروی کی تلقین

فرمایا کہ اس معاملے میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے تمہیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں تمہارے لیے بہترین قابل تقلید نمونہ پہلے سے موجود ہے۔ 'قَدْ كَانَتْ' کے اسلوب بیان سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ پہلے سے تمہارے سامنے ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ اہل عرب کو اس بات پر ناز تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔ انھیں ان کی ہجرت اور قربانی کی روایات کا بھی علم تھا۔ اگرچہ امتداد زمانہ سے ان پر گرد و غبار کی تہیں بھی جم گئی تھیں اور بدعات نے ان کے بعض پہلوؤں کو مسخ بھی کر دیا تھا تاہم یہ بات نہیں تھی کہ وہ ان سے بالکل ہی ناآشنا ہوں، جیسا کہ بعض مورخین نے گمان کیا ہے۔

'وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ' سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ہجرت فرمائی ہے تو تنہا نہیں ہجرت فرمائی ہے بلکہ ان کی قوم کے کچھ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے، اس ہجرت میں ان کے ہم رکاب تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعلان برأت

'اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ ...... الاٰیۃ' یہ اس اعلان برأت کا حوالہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی قوم کے سامنے کیا۔ انھوں نے ڈنکے کی چوٹ ان کو سنایا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان تمام معبودوں سے، جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو، بالکل بری ہوئے۔ تمہارے مسلک و مذہب کا ہم نے انکار کیا اور اس اعلان برأت کے بعد ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت اس وقت تک کے لیے

آشکارا ہو گئی جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ۔ یعنی اب تک تو ہم نے تمہارے ساتھ اس لیے رعایت برتی کہ تمھیں دین کی دعوت پہنچا دیں لیکن اب جب کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے اور تم اپنی ضلالت پر اڑے ہوئے ہو، ہم تم سے اعلانِ براءت کر کے الگ ہو رہے ہیں۔ اب تمہارے ساتھ ہمارا تعلق کھلم کھلا عداوت ہی کا رہے گا الّا آنکہ تم اپنے شرک سے تائب ہو کر توحید کی دعوت قبول کر لو۔

إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ۔ عام طور پر ہمارے مفسرین نے سمجھا ہے کہ یہ اسوۂ حسنہ سے استثناء ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ اعلانِ براءت سے استثناء ہے۔ یعنی اس کھلم کھلا اعلانِ براءت میں اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ساتھ کوئی رعایت برتی تو صرف یہ کہ اپنے باپ سے انھوں نے یہ وعدہ کر لیا کہ میں آپ کے لیے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا اگرچہ میں خدا کی طرف سے آپ کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ یعنی ہو گا تو وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا تاہم میں دعا کروں گا۔

اس رعایت کی وجہ، جیسا کہ قرآن کے دوسرے مقامات میں تصریح ہے، یہ تھی کہ وہ نہایت دردمند اور بردبار تھے، انھوں نے خیال فرمایا کہ اگر وہ اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں تو یہ چیز اس اعلانِ براءت کے منافی نہیں ہو گی جو وہ اپنی پوری قوم سے کر رہے ہیں بلکہ یہ اس بر و احسان کا مقتضیٰ ہے جو ہر بیٹے پر اس کے والدین کا ایک واجبی حق ہے۔ اس وقت تک ان کو یہ اندازہ بھی پورا پورا نہیں تھا کہ دین کے ساتھ باپ کی دشمنی کس درجے کی ہے۔ انھوں نے خیال فرمایا کہ باپ کا سارا غصہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے زعم کے مطابق اپنے بیٹے کو ایک گمراہی سے بچانا چاہتا ہے لیکن جب ان پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ان کا باپ اللہ کے دین کا کٹر دشمن ہے تو انھوں نے اس سے کلیۃً اعلانِ براءت کر دیا۔

وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وعدۂ مغفرت کے ساتھ ہی توحید کی اصل حقیقت بھی واضح فرما دی کہ مجھے جو اختیار حاصل ہے صرف اتنا ہی ہے کہ میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کروں۔ رہا تمہارا بخشا جانا یا نہ بخشا جانا تو یہ کلیۃً اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اس معاملے میں مجھے کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ کسی کے لیے استغفار اس کے حق میں ایک قسم کی سفارش ہے۔ اس سفارش کے معاملے میں جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبر اپنی اس بے اختیاری کا اظہار فرماتے ہیں تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ۔ اس دعا کا تعلق اعلانِ براءت سے ہے۔ بیچ میں إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ کا ٹکڑا جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا تھا۔ اس کے ختم ہوتے ہی وہ دعا نقل ہوئی ہے جو اس نازک موقع پر حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں نے کی ہے۔ دوسرے مقامات میں

وقتِ ہجرت کی دعا

ہم اس حقیقت کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اعلانِ براءت کے بعد لازماً پیغمبر اور اس کے ساتھیوں کے لیے ہجرت کا مرحلہ آجاتا ہے۔ یہ مرحلہ نہایت کٹھن ہوتا ہے۔ اپنی پوری قوم سے ابدی دشمنی اور بیزاری کا اعلان کر کے الگ ہو جانا کوئی سہل بازی نہیں ہے اس وجہ سے ہر رسول نے اپنی ہجرت کے وقت اپنا اور اپنے ساتھیوں کا معاملہ اپنے رب کے حوالے کیا ہے۔ ہجرت کے وقت اسی طرح کی دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمائی اور اسی طرح کی دعا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ یہ دعا اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ بندے کا نیک سے نیک ارادہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے انجام پاتا ہے اس وجہ سے ہر قدم اسی کی مدد کے بھروسے پر اٹھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں وہی سُرخ رو ہوتے ہیں جن کے دل ہر وقت اس کی طرف جھکے رہتے ہیں اور جن کے اندر یہ یقین راسخ ہوتا ہے کہ بالآخر ان کو ایک دن اپنے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (٥)

یہ بھی اسی دعا کا حصہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ 'فِتْنَةً' یہاں ہدفِ فتنہ کے معنی میں ہے اور اس سے مراد کفار کی وہ اذیتیں ہیں جو مسلمانوں کو وہ پہنچا سکتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو تیری توحید کی غیرت و حمیت میں ان مشرکوں سے اعلانِ براءت و عداوت کر دیا۔ اب ان کی طرف سے جو کچھ پیش آئے ہم اس کے لیے سینہ سپر ہیں۔ لیکن ہمارا بھروسہ تیری مدد پر ہے۔ ان کو اتنی ڈھیل نہ دینا کہ وہ ہم کو اپنے مظالم کا تختۂ مشق بنا لیں۔

'وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا'۔ اے ہمارے رب ہماری کمزوریوں اور ہمارے گناہوں کو بخش۔ ہمارے گناہ اس بات کا سبب نہ بن جائیں کہ ہمارے دشمن ہمیں کمزور پا کر اپنی ستم رانیوں کا ہدف بنا لیں۔ اس فقرے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ہمیں کوئی آزمائش پیش آئی تو وہ ہمارے اپنے ہی اعمال کی پاداش میں پیش آئے گی اور تیرے اختیار میں سب کچھ ہے۔ تو ہمارے گناہوں کو بخش دے تو ہم ان کے وبال سے بچ جائیں گے۔

'إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ'۔ یہ کامل تفویض کا کلمہ ہے۔ تو ہر چیز پر غالب ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ ساتھ ہی تو حکیم بھی ہے۔ تیرا ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے اس وجہ سے ہم اپنا معاملہ کلیتہً تیرے حوالے کرتے ہیں۔ تو جو کرے گا اسی میں خیر اور اسی میں حکمت و مصلحت ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (٦)

ایک بروقت تنبیہ

یہ 'قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ' سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اس اعلانِ براءت و عداوت میں نمونہ تو بے شک نہایت بہترین

ہے لیکن ان کے اس اسوہ کی پیروی کرنا ہر بوالہوس کا کام نہیں ہے۔ اس کا حوصلہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اللہ کی نصرت کی امید بھی رکھتے ہوں اور آخرت کے ظہور کے بھی متوقع ہوں۔ جن کے اندر یہ دونوں باتیں راسخ نہ ہوں وہ یہ بازی نہیں کھیل سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر در، اموال واملاک، وطن اور قوم ہر چیز سے دست بردار ہو کر اٹھ کھڑے ہونا صرف انہی کے لیے ممکن ہے جو اپنے اس اقدام میں ہر قدم پر خدا کی نصرت کے متوقع ہوں اور جن کا اصل بھروسہ اس دنیا کے مال ومتاع پر نہیں بلکہ آخرت کے فضل وانعام پر ہو۔ اس آیت سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ ہجرت کی راہ میں اصل زادِ راہ کیا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جن لوگوں سے اس مرحلے میں کمزوریاں صادر ہو رہی تھیں ان کی کمزوریوں کی تہ میں کیا چیز چھپی ہوئی تھی۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے کہ فلاح کا راستہ یہی ہے کہ تم ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اسوہ کی پیروی کرو ورنہ یاد رکھو کہ جو اس سے اعراض کریں گے اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ سب سے مستغنی اور خود اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔ اس کی خدائی دوسروں کے بل پر نہیں بلکہ خود اس کے اپنے بل پر قائم و دائم ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۷)

ایک عظیم بشارت

یہ ایک بہت بڑی بشارت ہے کہ آج اگر تم جی کڑا کر کے اپنے ان اقرباء سے اپنی دشمنی کا اعلان کر دو گے تو یہ نہ خیال کرو کہ یہ دشمنی ہمیشہ دشمنی ہی رہے گی بلکہ امکان اس کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دشمنی کو محبت سے بدل دے اور جن سے آج تمہیں عداوت کرنی پڑ رہی ہے وہ ایمان واسلام کی توفیق سے بہرہ مند ہو کر تم سے گلے ملیں۔

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو جانی دشمنوں کو جگری دوست بنا دے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ لوگوں کو عذاب میں ڈالنے کے بہانے نہیں ڈھونڈتا بلکہ مغفرت ورحمت سے نوازنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ اس کے کٹر سے کٹر دشمنوں سے متعلق بھی یہ گمان نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ دشمن ہی رہیں گے، کیا عجب اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے لیے بھی توفیقِ خیر کی راہ کھول دے۔

یہاں غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کی صفت کے حوالے میں بشارت کا یہ پہلو بھی ہے کہ اب تک جو لوگ اللہ کے ان دشمنوں سے خفیہ روابط رکھتے ہیں اس تنبیہ کے بعد اگر وہ چوکنے ہو گئے اور اپنی روش کی انھوں نے اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، وہ ان کی ان کمزوریوں کو معاف کر دے گا۔

ہجرت کا ایک نفسیاتی پہلو

اس آیت میں اہل مکہ کے قبولِ ایمان کی جو بشارت ہے اس کی ایک خاص نفسیاتی وجہ بھی ہے جو

یہاں ملحوظ رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے بہت سے بھائی بہن، عزیز قریب محض دین کی خاطر اپنے گھر در، اپنے اہل و عیال اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر ان سے جدا ہو رہے ہیں در آنحالیکہ یہ لوگ ہر اعتبار سے ان کے اندر کے بہترین اشخاص تھے تو وہ سوچنے لگ گئے کہ اس دعوت کا مقابلہ ظلم و تعدی سے کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ہمیں خود اپنے رویّے کا جائزہ لینا چاہیے۔ شاید اسی کتاب میں یا اپنے کسی اور مضمون میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے عظیم شخص کو جس چیز نے سب سے پہلے اسلام کی طرف مائل کیا وہ کچھ مظلوم مردوں اور عورتوں کی حبشہ کی طرف ہجرت ہے۔ ہجرت کا یہ اثر ہر حسّاس مرد اور عورت پر پڑنا لازمی تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد قبولِ اسلام کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ اس عمل کو اپنی فطری رفتار پر قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ مہاجرین میں سے کوئی گروہ اہلِ مکّہ کے آگے اپنی کمزوری کا اظہار نہ کرتا۔ اگر ان کی طرف سے کسی کمزوری کا اظہار ہوتا تو اہلِ مکّہ یہ خیال کرتے کہ مسلمان ہجرت تو کر گئے لیکن اب وہ اپنے اقدام پر پچھتا رہے ہیں اور ہم سے دوستانہ و نیازمندانہ روابط قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ یہ چیز ان کے اندر بھی اسلام کے احساس کو دبا دیتی اور مکّہ میں گھرے ہوئے دوسرے مظلوم مسلمانوں کے حوصلے بھی پست کر دیتی۔ اس وجہ سے قرآن نے اس کمزوری پر شدّت سے گرفت کی اور لوگوں کو متنبّہ کیا کہ دین کے دشمنوں کے ساتھ دوستانہ روابط نہ بڑھاؤ۔ آج اگر کفر میں لتھڑے ہوئے لوگوں کو سینے سے لگاؤ گے تو یہ تمھارے لیے موجبِ ہلاکت ہوں گے۔ البتہ اگر ان سے دشمنی پر جمے رہے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسلمان بنا کر تمھارا دوست بنا دے گا۔ چنانچہ یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی اور فتحِ مکّہ کے وقت خلق نے یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر - ۱۱۰: ۲) کا منظر اپنی آنکھوں دیکھ لیا۔

۲- آگے آیات ۸-۹ کا مضمون

آگے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ ممانعت جس چیز کی جا رہی ہے وہ ان لوگوں سے موالات اور دوستی بڑھانے کی ہے جنھوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا ہے یا نکالنے والوں کی مدد کی ہے۔ جن لوگوں نے اس طرح کی کوئی زیادتی نہیں کی ہے ان کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے کی ممانعت نہیں کی جا رہی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں بعد میں اس وقت نازل ہوئی ہیں جب مذکورہ بالا حکم کی تعمیل میں کفّار کے ساتھ مسلمانوں کا رویّہ غیر معتدل ہو گیا ہے حالانکہ اس طرح کی کوئی بات فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوپر کی آیات میں خطاب، جیسا کہ واضح ہوا، ان لوگوں سے ہے جو اہلِ مکّہ سے اپنے روابط قائم رکھنے کے خواہشمند تھے ان کو ایک ہی ساتھ یہ دونوں باتیں بتائی جا سکتی تھیں کہ دین

کے کھلے دشمنوں کے ساتھ دوستی بڑھانا تو اس ایمان کے منافی ہے جس کے تم مدعی ہو البتہ جن لوگوں کا رویہ جارحانہ نہیں ہے ان کے ساتھ اگر احسان و عدل کرو تو یہی تمہارے شایانِ شان ہے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۸-۹

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ترجمۂ آیات ۸-۹

اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ ۸

اللہ بس ان لوگوں سے تم کو موالات کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہے۔ اور جو اس طرح کے لوگوں سے دوستی کریں گے تو وہ اپنے ہی اوپر ظلم ڈھانے والے بنیں گے۔ ۹

۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۸)

ممانعت کے حدود کی تعیین

'بِرّ' کی تحقیق سورۂ بقرہ کی آیت ۴۴ کی تفسیر کے تحت گزر چکی ہے[۱]۔ اس کے معنی صلۂ رحم، احسان

[۱] ملاحظہ ہو تدبرِ قرآن جلد اول، صفحات ۴۳۲-۴۳۱

اور ادائے حقوق کے ہیں۔ 'اقساط' کے معنی عدل و انصاف کرنے کے ہیں۔ یعنی جس کا جو حق واجب ہے وہ پورا پورا ادا کیا جائے، اس میں کوئی کمی بیشی نہ کی جائے۔

فرمایا کہ تمھیں یہ حکم جو دیا گیا ہے کہ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (۱) (میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ) تو اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ تم ان کفار کے ساتھ احسان اور عدل بھی نہ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی اور نہ تم کو تمھارے گھروں سے نکالا۔ ممانعت جس چیز کی جا رہی ہے وہ، جیسا کہ آگے والی آیت میں تصریح آ رہی ہے، موالات کی ہے نہ کہ عدل و احسان کی اور یہ ممانعت بھی تمام کفار کے حق میں نہیں بلکہ صرف ان کے حق میں ہے جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی اور تم کو جلا وطن کیا۔

'دین' کی قید سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ یہاں زیر بحث وہ نزاعات نہیں ہیں جو خاندانی و قومی مفادات کے تصادم سے آپس میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں بلکہ صرف وہ جنگ مراد ہے جو محض دین کی مخالفت میں کفار نے برپا کی اور جس سے مقصود ان کا لوگوں کو اللہ واحد کی بندگی سے روکنا تھا۔ دین تمام اہل ایمان کی مشترک متاع ہے اور اسی پر ان کی نجات و فلاح کا انحصار ہے اس وجہ سے کوئی مسلمان دین کے دشمنوں کے ساتھ دوستی رکھتا ہے تو وہ اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ' یہ انصاف کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اوپر جب 'برّ' اور 'قسط' دو چیزوں کا ذکر آیا ہے تو مناسب تھا کہ یہاں دونوں نیکیوں کے کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی، صرف عدل کرنے والوں ہی کی محبوبیت کا ذکر کیوں آیا؟ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ صلۂ رحم وغیرہ کے قسم کی نیکیاں نفس پر اتنی بھاری نہیں ہیں جتنی عدل و انصاف کے قسم کی نیکیاں ہیں، بالخصوص جب کہ ان کا تعلق کفار سے ہو۔ کمزوروں کو سہارا دے دینا، محتاجوں کی مدد کر دینا اور اپنے کافر ماں باپ کے ساتھ صلۂ رحم کر دینا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ انسانی فطرت کے اندر ان کے لیے نہایت قوی محرکات موجود ہیں لیکن عدل و انصاف کا حق ادا کرنا اور وہ بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کوئی سہل بازی نہیں ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے ان لوگوں کو اپنی محبوبیت کا خاص مقام بخشا جو یہ بازی کھیلیں گے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ قیام عدل و قسط اس امت کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ جو لوگ دوست اور دشمن دونوں کے ساتھ یکساں انصاف کریں گے وہی اس امت کے گل سر سبد ہیں اور وہی اللہ کو محبوب ہیں۔ یہ حق ادا کیے بغیر دوسری نیکیاں بالکل بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۹)

روکا کن سے اور کس چیز سے گیا ہے؟

یہ صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ اللہ تم کو کن لوگوں سے روکتا ہے اور خاص طور پر کس چیز سے روکا ہے فرمایا کہ روک ان لوگوں سے رہا ہے جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تم کو تمھارے گھروں سے نکالا ہے یا تمھارے نکالنے میں تمھارے دشمنوں کی مدد کی ہے اور روک جس چیز سے رہا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کو اپنا دوست بناؤ۔ دوست بنانے سے مقصود ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم ملت کے مفاد سے قطع نظر کر کے کسی معاملے میں اپنا دستِ تعاون اس غرض سے ان کو پیش کرو کہ وہ تمھاری کوئی ذاتی غرض پوری کرنے کا ذریعہ بنیں۔

اس آیت پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اس میں جو حصر ہے اس کا زور 'اَنْ تَوَلَّوْهُمْ' پر ہے یعنی ممنوع جو چیز ہے وہ 'تَوَلِّی' یعنی ان کفار کو دوست اور کارساز بنانا ہے نہ کہ ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنا۔

نیکی ایک یک طرفہ عمل ہے۔ اس کا انحصار اس شخص کے رویہ پر نہیں ہوتا جس کے ساتھ نیکی کی جاتی ہے۔ ایک شخص حاجتمند ہے تو ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم اس کی مدد کریں، خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان۔ اور ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس سے نہ کسی شکریہ کے طالب ہوں نہ کسی صلہ کے 'لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا' (الدھر - ۷۶ : ۹)۔ یہاں تک کہ اگر کسی سبب سے اس کے خلاف ہمارے دل میں عداوت بھی ہو جب بھی ہمارے لیے صحیح رویہ یہی ہے کہ ہم اس کے ساتھ نیکی کریں۔ اس طرح کی نیکی کا ہم کو، جیسا کہ قرآن و حدیث میں تصریح ہے، زیادہ ثواب ملے گا۔

رہا عدل و قسط کا معاملہ تو اس کی بنیاد قانون، معاہدے اور معروف پر ہوتی ہے۔ اس میں کافر و مومن یا دوست و دشمن کے امتیاز کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ قانون اور معاہدے کا جو تقاضا ہو گا وہ بہرحال پورا کرنا ہو گا اس سے بحث نہیں کہ معاملہ دوست کا ہے یا دشمن کا۔ آگے کفار قریش کے ساتھ چند نزاعات کا فیصلہ آ رہا ہے اور اس میں آپ دیکھیں گے کہ کس طرح قرآن نے بے لاگ فیصلہ کیا ہے اور اسی بے لاگ فیصلہ پر عمل کرنے کی مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے۔

'وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ' یعنی اس تنبیہ کے بعد بھی جو مسلمان ان کافروں سے موالات کریں گے وہ یاد رکھیں کہ نہ وہ خدا کا کچھ بگاڑیں گے نہ اسلام کا بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنیں گے۔

۴۔ آگے آیات ۱۰-۱۳ کا مضمون

آگے اسی 'لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ' والی ہدایت کی روشنی میں، جو پہلی آیت میں مذکور ہوئی، پہلے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ مکہ سے جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں، ان کے ایمان و اسلام کی تحقیق کی جائے، محض اس بنیاد پر ان کو اپنے اندر شامل نہ کر لیا جائے کہ وہ ان کے پاس آ گئی ہیں

اوران کے اندر شامل ہونا چاہتی ہیں۔ ہاں، تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ ان کی ہجرت فی الواقع دین ہی کی خاطر ہے تب ان کو شامل کیا جائے ورنہ واپس کر دیا جائے۔ اسی طرح مہاجرین میں سے جن کی بیویاں مکہ میں ہیں اور وہ کافرہ ہیں ان کو اپنے عقدِ نکاح میں باندھے رکھنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ ان کو آزاد کر دینا چاہیے کہ وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں اور ان کے مہروں کا آپس میں تبادلہ کر لیا جائے۔

دوسری ہدایت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے کہ جو عورتیں بیعت کے لیے آئیں ان سے اسلامی زندگی کے تمام معروفات پر عمل کرنے کی بیعت لی جائے۔ اگر یہ ذمہ داری اٹھانے کا وہ عہد کریں تب ان سے بیعت لی جائے ورنہ نہ لی جائے۔ اسلامی معاشرہ ہر قسم کے لوگوں کی بھرتی کے لیے نہیں ہے۔ اس میں شامل ہونے کا استحقاق صرف انہی کو حاصل ہے جو ایمان و اسلام کے مطالبات پورے کرنے کا عہد کریں۔

معاہدۂ حدیبیہ سے متعلق ایک اہم نزاع کا فیصلہ

یہ ہدایتیں اصلاً تو یہ بتانے کے لیے دی گئی ہیں کہ اسلام کے ساتھ غیر اسلام کا جوڑ خلافِ عقل و فطرت ہے جس کی جانچ پرکھ تعلقات کے ہر گوشے میں ہونی چاہیے تاکہ نفاق کی کوئی آلائش کہیں باقی نہ رہنے پائے۔ جس طرح مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ و رسول کے مخالفوں سے مودّت رکھیں اسی طرح یہ بات بھی ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکات کے ساتھ کوئی رشتۂ مناکحت رکھیں۔ اگر اب تک اس طرح کا کوئی تعلق قائم رہا ہے تو اب وقت آگیا ہے کہ وہ کاٹ دیا جائے لیکن یہی مسئلہ متقضی ہوا کہ یہاں ایک نزاع کا فیصلہ بھی کر دیا جائے جو معاہدۂ حدیبیہ سے متعلق قریش اور مسلمانوں میں شروع ہی سے چلی آرہی تھی اور اس دور میں اس نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ اس کا فیصلہ کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

یاد ہوگا، معاہدۂ حدیبیہ میں ایک اہم دفعہ اس مضمون کی تھی کہ قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں سے جا ملے گا تو اگرچہ وہ اسلام پر ہو لیکن مسلمان اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے اس کے برعکس کوئی مسلمان اگر قریش سے آملے گا تو وہ اس کو واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے۔ اس دفعہ کے الفاظ کے بارے میں اگرچہ راویوں کے درمیان اختلاف ہے لیکن عروہ، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید، زہری، مقاتل بن حیّان اور سدّی سے جو روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں، عَلٰی انہ لا یاتیک منا احد وان کان علٰی دینک الا ردد تہ الینا۔ یعنی اس شرط پر صلح کی جاتی ہے کہ ہم میں سے (قریش میں سے) کوئی، خواہ وہ آپ کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) دین ہی پر ہو، اگر آپ کے پاس چلا جائے گا تو آپ اس کو لازماً واپس کریں گے۔

اس دفعہ کو مسلمانوں نے مردوں کی حد تک تو قبول کر لیا، چنانچہ اسی کی تعمیل میں حضرت ابوجندلؓ نہایت جذبات انگیز حالات میں عین اس وقت واپس کیے گئے جب کہ معاہدہ کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی، لیکن عورتوں کے باب میں مسلمانوں نے ان الفاظ کو واضح نہیں تسلیم کیا اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہے وہ اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ الفاظ عورتوں کی واپسی کے بارے میں

واضح ہیں بھی نہیں۔

معاہدے کے الفاظ جو اوپر نقل ہوئے ہیں اس میں 'احد' کا لفظ اپنے اندر اگرچہ عموم کا مفہوم رکھتا ہے لیکن غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ لبعد میں جتنی ضمیریں اور فعل بھی آئے ہیں سب مذکر ہیں، ایسی صورت میں ایک شخص یہ تو کہہ سکتا ہے کہ 'احد' کے عموم میں عورتیں بھی داخل ہیں لیکن کوئی عاقل یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مردوں کی طرح عورتوں کے باب میں یہ الفاظ قطعی ہیں بلکہ اس کے برعکس یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر فریقین کا منشا یہ ہوتا کہ عورتوں پر بھی یہ دفعہ قطعی طور پر حاوی ہو تو 'احد' کے بعد 'ذکر کان او انثیٰ' یا اس کے ہم معنی کوئی تصریح ضرور بڑھائی جاتی۔ لیکن جب اس طرح کی کوئی تصریح نہیں بڑھائی گئی در آنحالیکہ معاہدہ کا مزاج اس کا متقضی تھا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ معاہدہ کے وقت فریقین کے ذہن میں عورتوں کا مسئلہ نہیں تھا۔

اس اجمال نے قدرتی طور پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک قضیہ کی صورت اختیار کرلی اور یہ قضیہ، معلوم ہوتا ہے اس سورہ کے زمانۂ نزول میں زیادہ اہمیت حاصل کرگیا اس لیے کہ بہت سی عورتیں بھی ہجرت کرکے مدینہ پہنچیں اور ضروری ہوا کہ مسلمان اس باب میں کوئی قطعی پالیسی اختیار کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک قطعی فیصلہ صادر فرمایا اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی فرمادی کہ 'ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ' (یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے) اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمایئے:

آیات ۱۰-۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۖ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۖ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ

اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

ترجمہ آیات ۱۰-۱۳

اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کی تحقیق کرو، یوں اللہ تو ان کے ایمان سے اچھی طرح واقف ہی ہے، پس اگر تم ان کو مومنہ پاؤ تو ان کو کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ عورتیں ان کے لیے جائز ہیں اور نہ وہ ان عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ اور انھوں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان سے نکاح کرلو بشرطیکہ ان کے مہر ان کو ادا کرو۔ اور کافرہ عورتوں کی عصمتوں پر قابض نہ رہو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا اس کا مطالبہ کرو اور وہ بھی مطالبہ کریں اس کا جو انھوں نے خرچ کیا ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمھارے درمیان کر رہا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ ۱۰

اور اگر تمھاری بیویوں کے مہر میں سے کچھ کافروں کی طرف رہ جائے تو جب تمھیں موقع ہاتھ آجائے تو جن کی بیویاں گئی ہیں ان کو ادا کر دو جو کچھ انھوں نے خرچ

کیا ہے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ ۱۱

اے پیغمبر، جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں اس بات پر بیعت کے لیے آئیں کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کی مرتکب ہوں گی اور نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان تراشیں گی اور نہ کسی امرِ معروف میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور اُن کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو، بے شک اللہ غفور رّحیم ہے۔ ۱۲

اے ایمان والو، ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ آخرت سے ناامید ہوئے جس طرح کفّار قبر والوں سے نااُمید ہوئے۔ ۱۳

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۰)

مکہ سے ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے متعلق تحقیق کی ہدایت

مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ جو مسلمان عورتیں دارالکفر سے ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں ان کو کفّار کی طرف واپس کرنے کی ذمہ داری تو، جیسا کہ اوپر تمہیدی بحث میں اشارہ گزرا، تم پر نہیں ہے لیکن ان کے کفر و ایمان کی تحقیق کیے بغیر یوں ہی اپنے گھروں میں ان کو مفت کا مال سمجھ کر ڈال لینا بھی جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ جو عورتیں آئیں ان کے باب میں اچھی طرح تحقیق کر لی جائے کہ فی الواقع ان کی ہجرت اسلام ہی کے لیے ہے یا کوئی اور غرض ان کے اس نقلِ مکان کا سبب

ہوئی ہے۔ اگر تحقیق سے اطمینان ہو جائے کہ ان کی ہجرت اسلام ہی کے لیے ہے تب تو ان کو واپس کرنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ اطمینان وہ نہ دلا سکیں تو پھر ان کو روکنا بھی جائز نہیں ہے اس لیے کہ اسلامی معاشرہ طیبوں اور طیبات کا معاشرہ ہے، خبیثوں اور خبیثات کا معاشرہ نہیں ہے۔

اس امتحان و تحقیق کی نوعیت حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے واضح ہوتی ہے جو اس طرح نقل ہوئی ہے:

سئل ابن عباس کیف کان امتحانُ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) النساء. قال کان یمتحنھن باللہ ما خرجت من بغض الزوج وباللہ ما خرجت رغبۃ عن ارض الی ارض وباللہ ما خرجت التماس دنیا وباللہ ما خرجت الا حبا للہ ورسولہ۔	ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی تحقیق کس طرح فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ قسم لیتے تھے کہ خدا کی قسم وہ شوہر سے بیزار ہو کر نہیں نکلی ہیں، خدا کی قسم محض جگہ کی تبدیلی کے شوق میں نہیں نکلی ہیں، خدا کی قسم کوئی اور دنیوی غرض بھی اس نکلنے کا محرک نہیں ہوئی ہے، خدا کی قسم وہ محض اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں نکلی ہیں۔

'اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ'۔ یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم قسم اور دوسرے قرائن و حالات سے جس حد تک تحقیق کر سکتے ہو کرنے کی کوشش کرو۔ رہی اصل حقیقت تو وہ اللہ کو خوب معلوم ہے۔ اگر کوشش کے باوجود تم صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکے تو عنداللہ تم معذور ہو اور اگر انھوں نے تم کو دھوکا دیا تو یاد رکھیں کہ اللہ ان کے ایمان و کفر سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

'فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ'۔ یعنی معتبر ذرائع تحقیق سے اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ مومنہ ہیں تو ان کو کفار کے حوالہ نہ کرو، اس لیے کہ نہ وہ کفار کے لیے جائز ہیں اور نہ کفار ان کے لیے جائز ہیں بلکہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں۔

منصفانہ فیصلہ

اس حکم سے قرآن نے اس نزاع کا فیصلہ کر دیا جو معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ کے بارے میں پیدا ہو گئی تھی اور غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ فیصلہ نہایت ہی منصفانہ ہے۔ اگر قرآن کا فیصلہ یہ ہوتا کہ از روئے معاہدہ کسی عورت کی بھی واپسی کے مسلمان پابند نہیں ہیں تو یہ بھی بے جا نہ ہوتا یہ محض الفاظ سے فائدہ اٹھانے والی بات ہوتی۔ قرآن نے صرف الفاظ سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ایک ایسا فیصلہ کیا جس کی ایک نہایت محکم عقلی و اخلاقی بنیاد ہے۔ یعنی ان عورتوں کو تو واپس کر دینے کی ہدایت فرمائی جن کی ہجرت اللہ و رسول کے لیے نہیں بلکہ کسی حقیر دنیوی مقصد کے لیے ہو

البتہ جن کا مومنہ ہونا ثابت ہو جائے ان کو واپس کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ ایک ایسی اصولی بات ہے جس کا کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔ انسان اپنی ایک عقلی و اخلاقی ہستی رکھتا ہے اس وجہ سے یہ اس کے اوپر صریح ظلم ہے کہ اس کو کسی ایسے معاشرے کے ساتھ بندھے رہنے پر مجبور کیا جائے جس کے اندر اس کا یہ اخلاقی و عقلی تشخص محفوظ نہ رہ سکے۔ بالخصوص عورتیں جنس ضعیف ہونے کے سبب سے اور بھی حق دار ہیں کہ ان کا تحفظ کیا جائے۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا۔ یہ ایک اور منصفانہ بات کی ہدایت فرمائی کہ جو مومنہ روکی گئی ہے اگر وہ کسی کافر کی زوجیت میں رہی ہے تو مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے شوہر نے جو مہر اس کو ادا کیا ہے وہ مسلمانوں کی طرف سے اس کو واپس کر دیا جائے اس کے واپس کیے جانے کی عملی شکل یہی ہوگی کہ اس کی واپسی کا ذمہ دار بیت المال ہوگا۔ مَآ اَنْفَقُوْا کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن میاں بیوی کی جدائی کی صورت میں مہر ہی زیر بحث آتا ہے اس وجہ سے قرینہ دلیل ہے کہ وہی مراد ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ یعنی ان مراحل کے طے ہو جانے کے بعد اگر کوئی مسلمان ان سے نکاح کرنا چاہے تو وہ بے تکلف کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مہر ادا کرے۔ یعنی جو مہر سابق شوہر کو دیا گیا ہے اس کے علاوہ عورت کو بھی اس کا مہر دینا ہوگا جو نکاح کرنے والا ادا کرے گا۔

لَا جُنَاحَ کے الفاظ اس امر کے اظہار کے لیے ہیں کہ جو عورت اس طرح دارالاسلام میں آ کر اسلامی معاشرہ میں شامل ہو گئی اس کے ساتھ نکاح میں یہ چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی کہ وہ دارالکفر میں کسی کے نکاح میں رہی ہے یا اس کے ماں باپ یا دوسرے اولیاء ہیں جن کی اجازت کی ضرورت ہے۔ اب وہ اپنے کافر شوہر اور کافر اقرباء کی جملہ پابندیوں سے آزاد اور اسلامی شریعت کے حدود کے اندر اپنی مرضی کی آپ مالک ہوگی۔

ایک اور نیا انقلابی قدم

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ 'عِصَم' جمع ہے 'عِصْمَة' کی۔ یہ اسی سلسلہ میں اسلام نے ایک اور قدم بھی نہایت نیا ضابطہ اور بالکل یک طرفہ اٹھایا کہ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جن کی بیویاں دارالکفر میں ہیں اور وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کی عصمتوں کے مالک نہ بنے رہو بلکہ ان کو اپنے نکاح کی قید سے آزاد کر دو، وہ جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا۔ اس اعلان کے بعد گویا معاملہ کی شکل یہ ہوئی کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آ گئی ہیں ان کا نکاح ان کے کافر شوہروں کے ساتھ ختم اور جو عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں تھیں لیکن وہ دارالکفر ہی میں رہ گئیں اور کفر ہی پر قائم ہیں ان کے نکاح مسلمانوں کے ساتھ کالعدم۔ رہا ان کے مہروں کا معاملہ تو ان کا مبادلہ اجتماعی طور پر کر لیا جائے۔

مسلمانوں نے جو مہر اپنی کافر بیویوں کو دیے وہ کفار مسلمانوں کو واپس کر دیں اور کفار نے جو مہر اپنی ان بیویوں کو دیے جو مسلمان ہوگئیں ان کے مہر مسلمان کفار کو واپس کریں۔

ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ یہ آخر میں واضح فرمادیا کہ یہ اس نزاع کا فیصلہ ہے جو عورتوں کی واپسی سے متعلق، معاہدۂ حدیبیہ کی تشریح میں، تمھارے اور قریش کے درمیان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے قریش کے اس مطالبہ کو تو تسلیم نہیں کیا کہ معاہدہ کی رُو سے مسلمانوں پر ان عورتوں کی واپسی لازمی ہے جو ہجرت کر کے ان کے پاس جائیں البتہ اس نزاع کا ایک معقول، مبنی برانصاف اور جامع فیصلہ ایسا کر دیا جس سے اس وقت کی ایک بہت بڑی اجتماعی الجھن بھی دور ہوگئی اور آئندہ ابھرنے والے بعض جھگڑوں کا بھی سدّ باب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اس وجہ سے بندوں کو چاہیے کہ اس کے فیصلوں پر اعتماد کریں۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۱۱)

عَاقَبْتُمْ کے معنی ہیں کہ صادت العقبٰی نکم یعنی پھر تمھاری باری آگئی یا تمھیں موقع مل گیا۔

بدلے کی ایک منصفانہ شکل

مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ کفار کی طرف سے وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا کے اصول کی خلاف ورزی ہو، وہ کسی ایسی عورت کا مہر واپس نہ کریں جو اس کے مسلمان شوہر نے اس کو دیا تو اس صورت میں مسلمانوں کو حق ہوگا کہ اگر ان کو کسی عورت کا مہر کفار کو ادا کرنا ہے تو ان کو ادا کرنے کے بجائے اپنے اس بھائی کو ادا کر دیں جس کی چلی جانے والی بیوی کا مہر واپس نہیں ہوا۔ یہ گویا بدلہ لینے کی ایک منصفانہ اور مبنی بر عدل کارروائی ہوئی جس کی اجازت اس لیے دی گئی کہ ایک فریق نے ناانصافی کی راہ اختیار کی۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔ یہ اس اجازت سے فائدہ اٹھانے میں تمام احتیاط کی تاکید فرمائی کہ دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرنے میں اپنے اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر ایمان لائے ہو۔ بلا کسی وجہ معقول کے نہ کوئی انتقامی اقدام کرنے کے بہانے ڈھونڈے جائیں نہ اپنے واجبی حق سے زیادہ کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۲)

عام عورتوں سے متعلق ایک احتیاطی ہدایت

اور جس طرح مہاجرات کے امتحان کی ہدایت فرمائی اسی طرح اس آیت میں یہ ہدایت فرمائی کہ جو عورتیں اسلام میں داخل ہونے کے لیے آئیں وہ بھی یوں ہی داخل نہ کرلی جائیں بلکہ ان سے اسلام کے تمام معروفات کی پابندی کے ساتھ ساتھ خاص طور پر ان برائیوں سے بچتے رہنے کا اقرار لیا جائے جو جاہلی معاشرے میں عام رہی ہیں تاکہ اسلامی معاشرہ میں ان برائیوں کے جراثیم پھیلنے نہ پائیں۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ یہ ہدایت اس زمانے میں فرمائی گئی ہے جب مردوں کی طرح عورتوں کے بھی ہجوم کے ہجوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت کے لیے آنے لگے ہیں اور ان میں بہت سی عورتیں ان طبقات سے تعلق رکھنے والی بھی ہوتیں جن کا اخلاقی معیار زمانۂ جاہلیت میں بہت پست تھا۔ یہ صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ ان کو برائیوں سے بچتے رہنے کی خاص طور پر تاکید کی جائے تاکہ جس نئے معاشرے میں وہ داخل ہو رہی ہیں اس کی خصوصیات سے ان کو آگاہی ہو اور وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا ارادہ کرکے اس میں داخل ہوں۔ یہاں ان سے جن برائیوں سے بچنے کا اقرار لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے وہ یہ ہیں:

عَلٰٓی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا۔ یہ کہ وہ کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ تمام دین کی بنیاد توحیدِ خالص پر ہے اس وجہ سے سب سے پہلے شرک سے اجتناب کا اقرار لینے کی ہدایت فرمائی۔ ایک متوسط درجہ کے ذہن کے لیے توحید تک پہنچنے کا آسان راستہ شرک کی نفی ہی کی راہ سے کھلتا ہے۔ اگر شرک سے اجتناب کا شعور نہ ہو تو بہت سے لوگ شرک کی تمام آلودگیوں میں لتھڑے ہوئے بھی یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ توحیدِ خالص پر ہیں۔

وَلَا یَسۡرِقۡنَ۔ دوسری چیز یہ ہے کہ چوری نہ کریں یعنی جس طرح خدا کے حقوق میں کسی قسم کا غلط تصرف ناجائز ہے اسی طرح بندوں کے مال میں بھی بے جا تصرف ناجائز ہے۔

وَلَا یَزۡنِیۡنَ تیسری چیز یہ ہے کہ زنا کی مرتکب نہ ہوں۔ زنا اور شرک کی مشابہت کی طرف اس کتاب میں جگہ جگہ ہم اشارے کرتے آ رہے ہیں۔ یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَلَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ چوتھی چیز یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ زمانۂ جاہلیت میں قتلِ اولاد کا ارتکاب مشرکانہ توہمات کے تحت بھی ہوتا تھا، اندیشۂ فقر اور بے جا غیرت کے تحت بھی۔ اس زمانے میں اس کے دوسرے محرکات بھی پیدا ہو گئے ہیں جو معروف ہیں۔ یہ ممانعت ان سب پر حاوی ہے۔

وَلَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَاَرۡجُلِہِنَّ۔ پانچویں چیز یہ ہے کہ کسی کے متعلق، خواہ مرد ہو یا عورت، کوئی ایسا بہتان نہ تراشیں جس کا تعلق ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق ہو۔

بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَاَرۡجُلِہِنَّ سے اشارہ میرے نزدیک جنسی اعضاء کی طرف ہے۔ یہ اعضاء ہاتھوں

اور پاؤں کے درمیان ہی ہوتے ہیں۔ ان کی طرف اشارہ کے لیے یہ ایک شائستہ اسلوب بیان ہے۔ اس میں پردہ پوشی کے ساتھ پورا احاطہ بھی ہے۔ نہایت مہذب اسلوب سے ان تمام تہمتوں کی طرف اشارہ ہو گیا ہے جو جنسی نوعیت کی ہو سکتی ہیں، مثلاً زنا، تقبیل اور ملامست وغیرہ۔

بہتان لگانا، کسی قسم کا بھی ہو، نہایت سنگین برائی ہے لیکن جس بہتان کا تعلق جنسی امور سے ہو اس کی سنگینی دوچند بلکہ دہ چند ہو جاتی ہے اس لیے کہ اس طرح کا بہتان اس شخص کی (خواہ مرد ہو یا عورت) حیثیتِ عُرفی پر نہایت خطرناک حملہ ہے جس پر بہتان لگایا گیا ہے۔ اس سے معاشرے کے اندر بسا اوقات ایسے فتنے بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کو دبانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ بہتان کوئی مرد لگائے یا کوئی عورت، دونوں ہی کے لیے گناہ ہے اور شریعت میں دونوں ہی کے لیے اس کو جرم قرار دیا گیا ہے لیکن یہاں خاص طور پر عورتوں کو اس سے روکا گیا ہے اس لیے کہ عورتوں کا بہتان اور وہ بھی جنسی نوعیت کا ایک ایسا خطرناک وار ہے جس کا دفاع نہایت مشکل ہے۔

عام طور پر ہمارے مفسرین نے اس ٹکڑے کا یہ مطلب لیا ہے کہ کوئی عورت کسی غیر مرد کے حمل کو اپنے شوہر سے منسوب نہ کرے لیکن اس کو اس قدر محدود کر دینے کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے اس کے الفاظ کی روشنی میں اس کی وسیع تاویل کی ہے جس کے اندر وہ ساری باتیں آ جاتی ہیں جو اس کے تحت آ سکتی ہیں۔

'وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ' چھٹی چیز یہ ہے کہ کسی معروف کی تعمیل میں وہ تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی۔ 'معروف' یہاں 'منکر' کے مقابل میں ہے۔ اوپر جن جن باتوں کا حوالہ ہے ان سب کا تعلق منکرات کے باب سے ہے، ان میں معروفات یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور عدل و احسان کے قسم کی چیزوں میں سے کسی چیز کا بھی ذکر نہیں آیا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ ہے کہ یہ ان عورتوں کی بیعت کا ذکر ہے جو فتح مکہ کے دور میں بکثرت اسلام میں داخل ہو رہی تھیں اور جن کے اندر زمانۂ جاہلیت میں یہ برائیاں پائی جاتی تھیں جن کا یہاں ذکر ہے۔ یہ خاص صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ منکرات سے بچتے رہنے کا تو ان سے صراحت و تفصیل کے ساتھ اقرار کرایا جائے اور معروفات سے متعلق آخر میں ایک جامع اقرار لے لیا جائے کہ شریعت کے معروفات میں سے کسی معروف کی تعمیل میں وہ پیغمبرؐ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ شریعت کے معروفات معلوم و مشہور ہیں اس وجہ سے ان کی تفصیل کی ضرورت یہاں نہیں تھی۔

ایک غلط فہمی

بعض لوگوں نے 'فِيْ مَعْرُوْفٍ' کے الفاظ یہاں قید و شرط کے مفہوم میں لیے ہیں اور اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اسلام میں پیغمبر کی اطاعت بھی معروف کی قید سے مقید و مشروط ہے تو با دیگراں چہ رسد! ہمارے نزدیک یہ نکتہ محض ایک نکتۂ بارد ہے۔ پیغمبر نہ کسی منکر کا حکم دیتا ہے نہ

دے سکتا ہے۔ وہ دین کے معاملے میں وہی بات کہتا ہے جو معروف ہوتی ہے اس لیے کہ وہ خدا کی حفاظت میں ہوتا ہے اور اس کی حیثیت حق و باطل کے امتیاز کے لیے ایک کسوٹی کی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کے ہر حکم کی اطاعت لازمۂ ایمان ہے۔ جب وہ خود معروف و منکر کے امتیاز کی کسوٹی ہوا تو کسی دوسرے کے لیے اس کی کسی بات کو معروف کے خلاف قرار دینے کے کیا معنی! پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں صرف 'تا بہ حدِ استطاعت' کی قید ہو سکتی ہے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ بیعت کرنے والوں کو خود یاد دہانی فرما کر یہ قید لگوا دیتے تھے لیکن اس کی اطاعت کے معروف کی قید سے مقید ہونے کی بات بالکل بے معنی ہے۔ البتہ پیغمبرؐ کے خلفاء و امراء کے ہاتھ پر جو بیعت ہو گی وہ 'اطاعت فی المعروف' کی قید سے مشروط ہو گی اس لیے کہ ان سے امکان ہے کہ وہ کوئی ایسا حکم دے بیٹھیں جو معروف کے خلاف ہو۔ چنانچہ رسول کے بعد کسی کی بھی مطلق اطاعت کا عہد کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

عورتوں سے بیعت لینے کے طریقہ کی وضاحت روایات میں موجود ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں جو حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں، البتہ یہ بات مسلّم ہے کہ عورتوں سے بیعت لینے میں حضورؐ نے ان کے ہاتھ کبھی اپنے ہاتھ میں نہیں لیے۔

'فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'۔ فرمایا کہ جو عورتیں ان تمام منکرات سے بچتے رہنے اور دین کے تمام معروفات کی پابندی کا اقرار کریں ان سے بیعت لو اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگو کہ اس سے پہلے ان سے جو غلطیاں صادر ہوئی ہیں وہ ان سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، وہ ان پر رحم فرمائے گا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (۱۳)

آخر میں ابتدائی مضمون کا اعادہ

اس آخری آیت میں اس مضمون کی پھر یاد دہانی ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا ہے۔ قرآن میں ایسی مثالیں بہت ہیں کہ جس مضمون سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے اسی پر اس کا اختتام بھی ہوتا ہے یہ چیز قرآن میں نظم کی ایک بہت بڑی شہادت ہے۔

پہلی آیت میں فرمایا ہے: 'یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ' (اے ایمان والو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ) اللہ اور اہل ایمان کے دشمن یہود بھی تھے اور مشرکین قریش بھی، اس سورہ (الممتحنۃ) سے پہلے جو مسبحات سورتیں گزری ہیں ان میں زیادہ تر یہود کی سازشوں اور ان کے ساتھیوں کا رویّہ زیر بحث آیا ہے اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اب اس کی آخری آیت میں دونوں دشمنوں کو جمع کر کے مسلمانوں کو

متنبہ فرمایا کہ نہ ان یہود کی دوستی تمھارے لیے کسی خیر کا باعث ہوسکتی نہ کفار کی۔ یہ دونوں ہی اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے ایک ہی سطح کے اور ایک ہی انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ جو ان کا ساتھی بنے گا اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو ان کا ہونے والا ہے۔

'قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ' سے ظاہر ہے کہ یہود ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ صفت کی حیثیت سے قرآن میں یہ الفاظ یہود ہی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ پہلی ہی سورہ میں ان کے لیے 'مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ' کی صفت آئی ہے۔

'قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ' یعنی اگرچہ زبان سے یہ آخرت کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کی دنیا پرستی، ان کی ہوسِ زر اور موت سے ان کا فرار گواہ ہیں کہ یہ آخرت کی توقع نہیں رکھتے۔ اگر یہ آخرت کی توقع رکھتے ہوتے تو یہ ان حرکتوں کے مرتکب نہ ہوتے جن کے مرتکب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی شدید تنبیہات کے بعد بھی ان سے باز نہ آئے۔

'كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ' یعنی جس طرح کفار اب ان مُردوں کے جی اٹھنے سے مایوس ہیں جو قبروں میں پہنچ چکے اور کہتے ہیں کہ 'ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ' (ق ۵۰ : ۳) (کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، یہ لوٹایا جانا تو نہایت مستبعد ہے) اسی طرح یہ یہود بھی آخرت سے مایوس ہیں۔ آخرت کے معاملے میں دونوں ایک ہی سطح پر ہیں۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ قرآن نے جگہ جگہ یہود اور کفار کی شابہت نمایاں فرمائی ہے تاکہ جو مسلمان اہل کتاب ہونے کی بنا پر ان سے کسی حسنِ ظن میں مبتلا تھے ان کی غلط فہمی رفع ہو اور ان پر واضح ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے بدتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ۔

رحمان آباد
۴۔ مارچ سنہ ۱۹۷۸ء
۲۴۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۸ھ